نور الحسن راشد کاندھلوی

غالب کا منظومہ:

ترجمہ تحریر مولوی محمد سالم 'یا مثنوی نمود اری شانِ نبوت و ولایت'

وجہ تالیف، اوّلین ترتیب اور پہلی اشاعت

غالب کی مشہور فارسی مثنوی "بیاں نمود اری شانِ نبوت و ولایت کہ در حقیقت پر تو نور الانوار حضرت الوہیت ست" غالبیات کے موضوعات و مباحث میں ایک اہم اور دلچسپ مطالعہ ہے۔ اس مثنوی کے حوالے سے غالب کے مذہبی خیالات و معتقدات اور غالب سے مولانا فضل حق خیر آبادی کے مراسم و تعلقات پر خاصی گفتگو کی گئی ہے۔ عام خیال ہے کہ یہ مثنوی مولانا خیر آبادی کے غالب سے تعلقات کی مرہونِ منت ہے اور مولانا کی فرمائش بلکہ ان کے اصرار پر لکھی گئی ہے۔ مولانا خیر آبادی کی تحریک سیّد احمد شہید (یا وہابی تحریک) سے "سخت مخالفت" اس مثنوی کی ترتیب و تالیف کا بنیادی محرک تھی۔ اس معروف روایت کی اساس مولانا الطاف حسین حالی کی اس اطلاع پر ہے کہ:

> "مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے گاڑھے دوست اور ان کو فارسی زبان کا نہایت معتقد رشاعر مانتے تھے۔ چوں کہ مولانا کو وہابیوں سے سخت مخالفت تھی، انہوں نے مرزا پر نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھو جس میں ان کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید اور خاص کر امتناع نظیر خاتم النبیین کے مسئلے کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کرو۔
> اس مسئلے میں مولانا اسمٰعیل شہید کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے ممتنع بالذات نہیں ہے۔ یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مثل اس لیے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی ہے نہ اس لیے کہ خدا اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ برخلاف اس کے مولانا فضل حق کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے اور جس طرح خدا اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا۔
> مرزا صاحب پر یہ فرمائش ہوئی کہ اس مسئلے پر جو رائے مولانا فضل حق کی ہے وہ فارسی نظم میں بیان کی جائے۔ مرزا نے اوّل عذر کیا کہ مسائل علمی کا نظم میں بیان کرنا مشکل ہے مگر انہوں نے نہ مانا۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی جو کہ ان کی کلیات میں مثنویات کے سلسلے میں چھپی مثنوی ہے لکھ کر مولانا کو سنائی۔ انہوں نے بے انتہا تعریف کی اور یہ کہا کہ اگر میں فارسی شاعری میں تمہارے برابر مشاق ہوتا تو بھی ایسی خوبی سے ان مطالب کو ادا نہ کر سکتا۔"[1]

چونکہ غالب کے جملہ مآثر و معاصر اس مثنوی کی ترتیب تالیف کے تذکرہ سے یکسر خاموش ہیں اور خطوطِ غالب میں بھی ایک موقع پر "مثنوی ردِ وہابیہ" کے مجمل و ناتمام حوالے کے علاوہ کوئی

مولویان، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر (یوپی) ۲۴۷۷۷۵

[1] "یادگارِ غالب" حالی ص: ۷۲ - ۷۱
(طبع دوم - مطبع فیض عام علی گڑھ بلا سنہ)

اور تفصیل درج نہیں[1] اس لیے یادگارِ غالب کی مذکورہ بالا روایت کو جو اس مثنوی کے پس منظر اور وجہ تالیف کے متعلق دریافت واحد ماخذ ہے اس بحث میں قولِ فیصل اور تقریباً سند کی حیثیت حاصل ہے۔ اس روایت کی اسی انفرادیت وخصوصیت کی وجہ سے مؤلفاتِ غالب کے ضمن میں مثنوی نمودارِ شانِ نبوّت وولایت کے تعارف میں تحریک سیّد احمد شہید کے خلاف معاصر ردِ عمل کے تذکرہ میں اور مولانا خیر آبادی کے احوال وسوانح میں حالی کے اس قول کا حوالہ واعادہ ایک عام معمول ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ حالی کی یہ اطلاع حقیقتِ واقعہ کا مناسب اظہار اور اس مثنوی کی وجہ تالیف کی صحیح روداد نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مثنوی نمودارِ شانِ نبوّت کی ترتیب وتالیف کے دو مختلف محرکات دو دور، دو مرحلے اور دو اشاعتیں ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے جدا اور خاصی حد تک غیر متعلق ہیں۔ حالی کی روایت اس مثنوی کی ترتیب واشاعت کے دوسرے دور کا اور صرف ان آخری اشعار کا پس منظر بیان کر رہی ہے جو امکان وامتناعِ نظیر کے موضوع پر ہیں۔ مثنوی کے ابتدائی تین چوتھائی یا ۹۸ (اٹھانوے) اشعار کا اس پس منظر سے مولانا خیر آبادی کی وہابیوں سے سخت مخالفت سے مولانا کی غالب سے باہمی مراسم وتعلقات سے کچھ واسطہ نہیں۔ مثنوی کے اس حصے کی وجہ تالیف و ترتیب کچھ اور ہے جس کا (میری ناچیز معلومات کے مطابق) حالی کسی اور ماہرِ غالبیات یا اور کسی تذکرہ نگار نے کچھ ذکر نہیں کیا۔

یہ مثنوی دراصل مولانا محمد سالم (خلف مولانا سلام اللہ بن مولانا شیخ الاسلام حنفی) دہلوی کی ایک تحریر کی ترجمانی اور اس کا منظوم فارسی پیرہن ہے جو بہادر شاہ ظفر کی تعمیلِ ارشاد میں شعبان یا رمضان المبارک سنہ ۱۲۶۸ھ جون جولائی ۱۸۵۲ء میں منظوم ومرتب ہوئی اور بہادر شاہ کی ہدایت کے مطابق مطبع سلطانی قلعہ معلیٰ شاہجہان آباد (دہلی) سے اس کی اشاعت عمل میں آئی۔ مگر تعجب ہے کہ خطوطِ غالب میں کلیاتِ نظم فارسی کی قدیم وجدید اشاعتوں میں اور احوالِ غالب پر دریافت معروف ماخذ میں مثنوی نمودار کی اس ترتیب واشاعت کا کہیں حوالہ واشارہ درج نہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس اشاعت کے نسخے انتہائی کمیاب بلکہ معدوم ومفقود ہیں۔

مجھے اس اشاعت کا ایک صاف ستھرا عمدہ نسخہ اپنے علمی محسن وکرم فرما جناب توفیق احمد صاحب علوی کیرانوی (تحصیل خورد کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی) کی عنایت سے حاصل ہوا ہے۔ موصوف کے دلی شکریہ اور جذباتِ سپاس و امتنان کے ساتھ اس نادر اشاعت کا تعارف اور اس کی ترتیب وتالیف کا کچھ منظر وپس منظر سطورِ ذیل میں حاضر ہے۔ اگرچہ اس مثنوی کے سببِ تالیف کے ذکر میں حالی کی محولہ بالا روایت کے بعض اجزا درست اور مطابقِ واقعہ نہیں ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اس مثنوی کی ترتیب وتالیف کا تحریک سید احمد شہید کے خلاف ردِ عمل سے کچھ تعلق ضرور ہے۔ مثنوی کے اسلوبِ بیان اور مضامین کے بین السطور سے تحریک سیّد احمد شہید[2] (یا وہابی تحریک) کے بعض نظریات کی تردید صاف جھلک رہی ہے جو اس مثنوی کی نظم وترتیب کے اصل محرک مولانا محمد سالم کے خیالات کا اثر ہے۔ مولانا نے تحریک سیّد احمد شہید اور اس تحریک کے مخالف علماء کے درمیان متنازعہ مذہبی اسلامی چند مباحث پر ایک تحریر مرتب کی، جس میں "وہابیوں کے بڑے بڑے اور مشہور عقیدوں کی تردید تھی"۔

مولانا محمد سالم نے یہ تحریر بہادر شاہ ظفر کے حضور پیش کی اور اس مضمون کو فارسی میں نظم کرا دینے کی درخواست کی۔ بہادر شاہ ظفر نے یہ درخواست منظور فرمائی اور غالب کو جو اس وقت دربار سے وابستہ اور مہر نیمروز کی ترتیب میں مشغول تھے، اس خدمت پر مامور کیا۔ تعمیل ارشاد ہوئی اور غالب نے اس مضمون کو نظم کر کے بہادر شاہ کے ملاحظہ سے گزارا، بہادر شاہ کو یہ ترتیب وترجمانی بہت پسند آئی:

"بملاحظہ اعلیٰ حضرت کیواں منزلت گزرانیدہ و
بسیار پسند طبع مشکل پسند قدسی افتادہ"

بہادر شاہ نے اس کی فوراً طباعت کا حکم دیا۔ اسی ارشاد کی بجا آوری میں یہ مثنوی مطبع سلطانی سے کتابی صورت میں جلوہ گر ہوئی، اس اشاعت کے ساتھ دو صفحہ کی ایک تمہید شامل ہے جس میں اس مثنوی کی وجہ تالیف اور محرکات کا صاف تذکرہ موجود ہے۔

---

[1] غالب لکھتے ہیں: "رد فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو بھیجی۔ رسید بھی نہ آئی"

مکتوب بنام حبیب اللہ ذکا محررہ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۹ھ (۲۶ اگست ۱۸۷۲ء) اردوئے معلیٰ ص ۳۷۸ (شیخ مبارک علی لاہور بار اوّل بلا سنہ) نیز ملاحظہ ہو غالب اور ذکا: از جناب ضیاء الدین احمد شکیب ص ۳۵ ص ۱۱۶ (دہلی: ۱۹۷۲ء) بعض اور خطوط میں بھی ایک مثنوی کے بھیجنے کا تذکرہ ہے مثلاً مکتوب بنام تفتہ مورخہ ۳ دسمبر ۱۸۵۸ء اردوئے معلیٰ ص ۳۸ نیز مکتوب مورخہ یکم ستمبر بلا سنہ اردوئے معلیٰ ص ۸۸ بعض اور خطوط میں بھی تذکرہ ہے۔ مگر ان سے یہی مثنوی مراد ہے یا کوئی اور۔

مسیح کالونی دہلی

[2] تحریک سیّد احمد شہید جو غلط طور پر وہابی تحریک کے نام سے مشہور ہے غیر منقسم ہندوستان، بلکہ جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی منظم اور طاقتور تحریک تھی جس نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر، یہاں کی سیاست پر اور اردو نثر کی ابتدائی تاریخ پر ان مٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ تفصیلات پر مختلف زبانوں میں کم وبیش دو درجن کتابیں دستیاب ہیں۔

اور اس کی مدد سے اس مثنوی کی تالیف و اشاعت کی تمام روداد آئینہ ہو جاتی ہے۔ ان معلومات سے استفادہ کے لیے اس تمہید کا بہ تمام و کمال مطالعہ ضروری ہے۔ تمہید نگار لکھتے ہیں:

بعد حمد آفریں و نعت حضرت سید المرسلین و خاتم النبیین صلواۃ اللہ علیہ وعلی آلہ طیبین، و اصحابہ الطاہرین، بر مرات ضمیر ارباب حقیقت و اصحاب طریقت منطبع میگردد کہ دریں ولا سالک مسالک ہدایت ناہج مناہج شریعت، جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، مولانائے معظم و مکرم مولوی محمد سالم زاد مجدہ، مسائل جواز استمداد از حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً جناب مستطاب خیر الانام و اولیائے کرام قدس اللہ اسرارہم از روایات فتاوہائے فقیہہ نگاشتہ بحضور خاقان گیتی ستان و سلطان دارا دربان حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی ابوالظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ پیش کش کردہ، بنابر نظم آں استدعا نمودہ بودند،

چنانچہ حسب الحکم قضا شیم زبدۂ سخنوراں اسوۂ سخن فہماں نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ در یک صد و یک بیت جملگی مسئلہ ہائے جواز استمداد وغیرہ منظوم کردہ، بملاحظۂ اعلیٰ حضرت کیواں منزلت گزرانیدند و بسیار پسند طبع مشکل پسند قدسی افتادہ و بتاریخ نہم شہر شوال ۱۲۶۸ ہجریہ مقدسہ مطابق سال شانزدہم جلوس معلی احکام دادند بنا بر طبع آں، در مطبع سلطانی شرف صدور یافتہ و نقاب طبع در آمدہ است۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ۱؎

خلاصہ یہ ہے کہ:

حمد پیدا کرنے والے کی حمد و ثنا اور حضرت سید المرسلین خاتم النبیین کی تعریف کے بعد درود و سلام ہو آپ پر، آپ کی برگزیدہ آل اور پاک ساتھیوں پر۔

اہل طریقت اور اصحاب حقیقت کے آئینۂ ضمیر پر واضح ہو کہ قریب میں راہ ہدایت پر چلنے والے اور شریعت کے کشادہ راستہ میں سہولت پیدا کرنے والے عقلی نقلی علوم کے جامع اور فروع و اصول کے ماہر مولانا معظم و مکرم مولانا محمد سالم حضرات انبیاء خصوصاً حضرت خیر الانام علیہم السلام اور بزرگان دین استمداد (مدد چاہنے) کے مسائل فقہی روایات سے لکھ کر سلطان عالم پناہ بہادر شاہ ظفر کی خدمت میں لائے اور اس (مضمون) کو نظم کرا دینے کی درخواست کی۔ چنانچہ (بہادر شاہ کے) اٹل فرمان کے مطابق ممتاز شاعر اور سخن فہموں کے سردار نجم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ نے ایک سو ایک شعر میں استمداد وغیرہ کے جائز ہونے کے تمام مسائل کو نظم کر کے اعلیٰ حضرت (بہادر شاہ) کے ملاحظہ کے لیے پیش کیے، جو ان کی مشکل پسند طبیعت کو بے انتہا پسند آئے۔ بہادر شاہ نے ۹ شوال ۱۲۶۸ھ (۲۸ جولائی ۱۸۵۲ء) مطابق سنہ ۱۶ جلوس بہادر شاہ کو (اس کی طباعت کا) حکم دیا۔ جس کی وجہ سے مطبع سلطانی کو اس کی طباعت کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ کتاب لباس طباعت سے جلوہ گر ہوئی۔ سلام ہو ان پر جو ہدایت (سچائی) کے پیرو کار ہیں۔

اس تمہید یا دیباچہ کا تجزیہ کیجیے تو کئی سوالات سامنے آتے ہیں:

۱۔ مولانا محمد سالم کون تھے۔ ان کا تعارف اور علمی مرتبہ کیا ہے اور ان کے قلعۂ معلی خصوصاً بہادر شاہ ظفر سے کس طرح کے روابط تھے؟

۲۔ مولانا نے جو تحریر منظوم ترجمہ کے لیے بہادر شاہ ظفر کے حضور پیش کی، وہ کس قسم کی تھی اور اس کی زبان کیا تھی؟

۳۔ بہادر شاہ ظفر کی اس موضوع سے ذاتی دلچسپی تھی یا یہ ترجمہ صرف از راہ مراسم و محبت کرایا گیا ہے۔

ان سوالات کے فیصلہ کن جوابات کے لیے معتبر ذرائع معلومات راقم سطور کی دسترس میں نہیں ہیں۔ تاہم میں نے اس سمت پیش قدمی کی ایک معمولی سی کوشش ضرور کی ہے۔ نتائج کچھ اس طرح ہیں:

(۱) مولانا محمد سالم سلالہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے وابستہ اس خانوادہ علم و عمل کی روایات کے خاتم اور آخری روشن چراغ تھے۔ شیخ عبدالحق تک سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔

مولانا محمد سالم بن سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن حافظ فخر الدین

۱؎ تمہید اشاعت اول منظومۂ غالب ص ۲، ۳ (دہلی: ۱۲۶۸ھ)
اس تمہید و تحریر کا حرف بہ حرف ترجمہ بتکلف اور شاید فضول شمار ہو۔ اس لیے اس کا صرف مفہوم اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

بن محب اللہ بن نور اللہ ابن نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی[1]

تعلیم باخانوادہ کی تفصیل علمی تدریسی خدمات کا تذکرہ اور سنین ولادت و وفات دریافت نہیں۔ اگرچہ غالب کے زیر تعارف منظومہ کے تمہید نگار نے مولانا سالم کے لیے "جامع منقول و معقول" اور "حاوی فروع و اصول" کے بلند کلمات استعمال کیے ہیں۔ مگر افسوس کہ دستیاب ذرائع معلومات و مآخذ اس قول کی تصدیق و تحقیق میں ہماری مدد سے قاصر ہیں[2]

مؤلف نزہتہ الخواطر کی اطلاع ہے کہ مولانا محمد سالم نے اپنے عہد کے علماء سے تعلیم پائی۔ حرمین کا سفر کیا اور حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ مولانا عبد الحئی حسنی نے مولانا محمد سالم کی چھ تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو یہ ہیں

اصول الایمان، نور الایمان، لطائف الاسرار (تعویذات و عملیات میں) طریق السالم، ترجمہ حزب البحر اور رسالہ جواز سماع و غنا[3،4]

مولانا حسنی کے بقول' اصول الایمان ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ وہ دہلی سے ۱۲۵۹ھ میں شائع ہوئی تھی۔ مولانا محمد سالم کے متعلق پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کا ارشاد ہے:

"مولانا محمد سالم اور مولانا نور الاسلام کے بعد شیخ محدث کے خاندان کی علمی حیثیت تقریباً ختم ہوگئی۔ حدیث سے وہ والہانہ تعلق جو شیخ محدث سے لے کر مولانا محمد سالم تک خاندان حقی کی خصوصیت تھی، بعد کو کسی بزرگ میں نظر نہیں آتی۔"[5]

ممکن ہے یہ خیال درست ہو مگر مولانا محمد سالم کے متعلق مزید اطلاعات کا فقدان اس روایت کی صداقت کو کمزور کر رہا ہے۔

مذکورہ بالا مآخذ اگرچہ اس تذکرہ سے خاموش ہیں مگر زیر تعارف مثنوی کی تمہید اور خانوادۂ مغلیہ کے بعض شہزادوں کی تحریرات سے مولانا سالم کے قلعۂ معلی سے قریبی روابط و مراسم کا اندازہ ہوتا ہے[6] ان تعلقات کا کیا پس منظر تھا۔ مولانا قلعہ سے کس حیثیت سے وابستہ تھے۔ وظیفہ و ملازمت کا سلسلہ تھا یا مولانا کی کسی خصوصیت و نسبت کی وجہ سے بہادر شاہ اور اہل قلعہ مولانا سے خلوص و عنایت رکھتے تھے، کچھ معلوم نہیں۔

(۲) مولانا محمد سالم کی تحریر کی کیا کیفیت اور ترتیب تھی، کوئی فتویٰ تھا، مفصل رسالہ تھا یا یادداشت کے طور پر مرتب اقوال و نکات تھے۔ اور اس میں گفتگو اسی طرح مجمل مختصر فقروں میں درج تھی، جس طرح غالب نے اس کو نظم کیا ہے یا اصل تحریر مفصل اور علمی استدلال و مباحث سے پر تھی۔ شاعر نے اس کا صرف خلاصہ نظم کیا ہے۔ اس کا موجودہ معلومات کی روشنی میں یقینی جواب ممکن نہیں مگر قرائن یہی بتا رہے ہیں کہ غالب کی مثنوی مولانا کی تحریر کا بہ تمام و کمال عکس و آئینہ ہے۔ اگر یہ خیال صحیح ہے تو کہہ جا سکتا ہے کہ مولانا کی تحریر بہت مجمل و مختصر تھی اور اس میں کوئی نادر نکتہ، اہم علمی بحث اور دلیل ایسی نہیں تھی جو اہل علم و ذوق کو کسی طرح متاثر کر سکے۔

جناب غلام رسول مہر کے الفاظ میں:

"(اس) مثنوی میں کوئی دلیل ایسی نہیں جسے نئی یا شرعی کہا جا سکے۔ عام باتیں ہیں جو بارہا کہی گئی ہیں۔ البتہ انہیں پیش کرنے کا ڈھنگ نیا ہے اور عوام کے لیے خاصا جاذب معلوم ہوتا ہے۔"[7]

ان قرائن کی روشنی میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فنی استدلالی بحث اور اس

---

۱ مستفاد از حیات شیخ عبد الحق محدث، مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۲۵۵ (دہلی: ۱۳۷۲ھ)

۲ تمہید کی عبارت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس تحریر کا مرتب کوئی درباری شخص اور مبالغہ کا عادی ہے۔ جس شخص نے بہادر شاہ ظفر جیسے بے دست و پا، بے حکم و بے ملک برائے نام حکمران کے لیے "خاقان گیتی ستاں" "سلطان دارا دربان" جیسے غیر معمولی کلمات استعمال کیے ہیں وہ مولانا محمد سالم کے لیے مبالغہ سے کیوں محتاط رہا ہوگا۔؟

۳-۴ ملاحظہ ہو: نزہتہ الخواطر مولانا عبد الحئی حسنی رائے بریلوی ص ۲۳۰، ص ۲۴۱ (حیدر آباد دکن ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۹ء) مولانا کی تالیفات کی یہی فہرست نظامی صاحب نے بھی نقل فرمائی ہے۔ دونوں کا ماخذ مرآۃ الحقائق مؤلفہ مولانا محمد برکت علی حنفی تھے۔

۵ حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۲۶۴ (دہلی: ۱۳۷۲ھ)

۶ گنج بخش لائبریری، اسلام آباد (پاکستان) کے ذخیرۂ مخطوطات میں شطحیات پر فارسی میں ایک نامعلوم الاسم رسالہ محفوظ ہے۔ یہ رسالہ شہزادہ عالی بخت بن فیروز شاہ بن شاہ عالم کو مولوی محمد سالم کی عنایت سے حاصل ہوا تھا۔ عالی بخت نے اس کی نقل لی۔ یہی نسخہ گنج بخش لائبریری کی زینت ہے۔ ترقیمۂ کاتب میں تحریر ہے:

"محمد عالی بخت ولد فیروز بخت بن شاہ عالم بادشاہ از عنایت مولوی محمد سالم گرفتہ تحریر نمود۔ ۳۰۔ جلوس اکبر بادشاہ ۱۲۵۲ھ"

ملاحظہ ہو: فہرست مخطوطات گنج بخش ـــ مرتبہ احمد منزوی ص ۲۲، ج ۲۔ (اسلام آباد: ۱۹۷۰ء)

۷ کلیاتِ غالب فارسی (کی ایک جامع ترا شاعت پہلا حصہ مشتمل بر) قصائد و مثنویات مرتبہ جناب غلام رسول مہر ص ۵ (لاہور۔ ۱۹۶۹ء)

موضوع کا علمی جائزہ مولانا محمد سالم کا مقصد ہی نہیں تھا بلکہ اس تحریر کے ذریعے دہلی اور اطراف و نواح کے عوام کی جذباتی توجہ مولانا اپنے نظریہ کے لیے چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس تحریر میں قرآن شریف کی کسی آیت کا حوالہ ہے نہ حدیث و سنت سے استدلال ہے نہ قدیم علماء اور متکلمین کی تحقیقات و تصانیف سے استفادہ ہے۔ جو کچھ ہے وہ اس عہد (تیرہویں صدی ہجری) میں دہلی اور اس کے اطراف و نواح میں مشہور و مقبول چند علماء اور مشائخ کے اقوال و کلمات کا خلاصہ ہے۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے سلاسل تصوف اور قوت افاضہ و تاثیر کے لیے مشہور تھے۔ ان حضرات کا نام آنے کے بعد وہ اس نقطۂ نظر کی عوام کی جانب سے برملا مخالفت مشکل تھی لہٰذا مولانا سالم نے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرتے ہوئے اس امکان سے فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کی۔ بعد میں غالب ایسے مشہور شاعر کے ذریعے اس کی ترجمانی اور بہادر شاہ کے حوالہ سے اس کی اشاعت بھی اس خیال کی تائید کر رہی ہے۔

اسی مبحث سے وابستہ ایک سوال مولانا محمد سالم کی تحریر کی زبان کا ہے۔ وہ فارسی میں تھی یا اردو میں؟ فارسی میں ہونا ہر طرح قرین قیاس ہے مگر زیر نظر اشاعت میں ایک موقع پر غالب کی اس کاوش کے لیے ترجمہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو غمازی کرتا ہے کہ اصل تحریر اردو میں تھی۔ غالب نے اس کو فارسی میں منتقل کیا ہے۔ اگر یہ استدلال درست ہے تو یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ یہ ترجمہ یا مثنوی باقیات غالب میں ایک منفرد قسم کی یادگار ہے۔ اس تحریر کے علاوہ غالب نے کسی اور اردو تحریر کو فارسی کا پیرہن نہیں بخشا۔

(۳) بہادر شاہ ظفر قلعہ کے رنگین ماحول کے پروردہ۔ میلوں ٹھیلوں اور دہلی میں مروّج تمام رسومات کے دلدادہ نیز ان سب طور طریقوں کے پابند اور عادی تھے [۱] جن کے خلاف تحریک سید احمد شہید سے وابستہ علماء خاص طور پر سرگرم تھے، اس لیے بہادر شاہ کی اس طبقہ اور مزاج کے افراد سے قربت و وابستگی طبعی امر تھا، جو ان رسومات اور طور طریقوں کے لیے گنجائش اور مذہبی جواز فراہم کرتے ہوں مگر اس کے باوصف بہادر شاہ کے خاندان حضرت شاہ ولی اللہ اور تحریک سید احمد شہید کے سربرآوردہ علماء سے بھی اسی قدر مراسم و تعلقات تھے جس قدر اور علماء سے تھے۔ مولانا محمد سالم کی تحریر کی ترتیب سے تقریباً دو سال پہلے جب مولانا ولایت علی صادق پوری جو تحریک سید احمد شہید کے نامور رکن ممتاز عالم مبلغ اور مصلح تھے، دہلی آئے۔ اور وہاں ان کی مجالس وعظ اور قوت تاثیر کا چرچا عام ہوا تو بہادر شاہ نے مولانا کو قلعہ میں آنے کی دعوت دی۔ ضیافت کا اہتمام کیا۔ مولانا قلعہ میں گئے تو بہادر شاہ نے اعزاز و اکرام کا خاص معاملہ کیا۔ فرش تک آکر استقبال سے نوازا۔ اپنے پاس بٹھایا اور دربار میں وعظ کہلوایا۔ خود سنا اور اس سے تاثر ظاہر کیا اور مولانا کو اپنے ذاتی مہمان کی حیثیت سے قلعہ میں قیام کی دعوت دی۔ مگر مولانا نے اس کو پسند نہیں کیا اور بہادر شاہ سے ملاقات کے چند دن بعد دہلی سے چلے گئے۔ [۲]

قلعہ میں مولانا ولایت علی کی پذیرائی دعوت ضیافت کا اہتمام اور مولانا کے وعظ میں بہادر شاہ کی شرکت ایسی بات نہیں تھی کہ عوام میں اس کا چرچا نہ ہوا ہو اور ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے بہادر شاہ پر بھی وہابیت کا الزام آگیا ہو۔ بہادر شاہ ظفر جو اپنی مرنجان مرنج طبیعت اور فکر و مزاج کی وجہ سے کسی مسلک سے صاف وابستگی کو پسند نہیں کرتے تھے، اس صورت حال سے پریشان ہوئے ہوں۔ اور اپنی عادت کے مطابق اس معاملہ کی صفائی اور وہابیت کے الزام سے برأت کے لیے اشتہارات و رسائل کا سلسلہ

---

[۱] اس ذوق و مزاج کی بعض تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ بزم آخر منشی فیض الدین (زیر نظر اشاعت جناب کامل قریشی کی مرتبہ اردو دہلی ۱۹۸۶ء کی طباعت ہے۔

۲۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مرتبہ: جناب رئیس احمد جعفری (کتاب منزل لاہور: طباعت اول (بلاسنہ)

[۲] مولانا ولایت علی رجب ۱۲۶۶ھ میں دہلی آئے تھے اور غالباً شعبان (جون: ۱۸۵۰ء) میں ان............ کی بہادر شاہ ظفر سے ملاقات ہوئی: تفصیلات کے لیے دیکھیے:

۱۔ الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور مولانا عبدالرحیم صادق پوری۔ ۱۶۵ - ۱۶۴ طبع سوم (پٹنہ: ۱۳۸۴ھ)

۲۔ سرگزشت مجاہدین: جناب غلام رسول مہر ص۲۵۷ - ۲۵۶ (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، بلاسنہ۔ غالباً طبع سوم)

۳۔ وہابی تحریک: ڈاکٹر قیام الدین احمد ص۱۶۰ - ص۱۵۹ (کراچی: ۱۹۷۶ء)

شروع کیا ہو جس کا نقطۂ عروج مولانا محمد سالم کا رسالہ ہو اور اس طرح بادشاہ ہو کے وہابیت کا داغ دھونا مقصود ہو۔ مگر یہ تمام قرائن و قیاسات ہیں۔ عین ممکن ہے کہ مولانا محمد سالم کی تحریر کی وجہ ترتیب و اشاعت کوئی اور قضیہ ہو؟

اس تحریر کے پس منظر اور متعلقات کے کچھ تذکرہ کے بعد اولین طباعت کی طرف ایک مرتبہ پھر رجوع ہوتے ہیں اور اس سے تعارف اور معلومات حاصل کرتے ہیں:

مثنوی شانِ نبوت و ولایت میں معروف و متداول نسخوں کے مطابق کُل ۱۲۸ اشعار ہیں جس میں ۲۸ شعر وہ ہیں جس میں امکان و امتناع نظیر کے موضوع پر بحث ہے، مگر زیرِ تعارف اولین اشاعت میں کُل ۱۰۱ شعر ہیں۔ ان میں ۱۰۱ میں سے ۹۸ اشعار جوں کے توں وہی ہیں جو مثنوی کے متداول نسخوں میں شامل ہیں۔ قدیم اشاعت میں تین شعر اور متاخر ترتیب میں ۲۸ شعر ایسے ہیں جو ان طباعتوں میں ہر ایک کو دوسری سے ممتاز کرتے ہیں۔ دونوں نسخوں کا توافق اور اتحاد:

من سبک رو ہم گراں جاں نیستم
صد نشاں پیداست پنہاں نیستم

پر ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد پہلی اشاعت اور موجودہ نسخوں کی ترتیب الگ الگ ہے اولین طباعت میں اُس شعر کے بعد یہ تین شعر اور ہیں:

"غالب آہنگ دعا را سازدہ | بہر آمین بخت را آواز دہ
گفتہ ام زیں بیش بیتے دلنشیں | آورم از خویش بیتے دلنشیں
بر دعائے شہ سخن کوتاہ باد
تا خدا باشد بہادر شاہ باد" [۷]

یہ تینوں شعر بعد کی اشاعتوں میں درج نہیں اور کم سے کم مطبوعہ نسخوں[۸] میں ایسا کوئی حوالہ اور وضاحت نہیں ملی جن میں ان اشعار کے وجود یا ان کے خارج کیے جانے کا کسی نے تذکرہ کیا ہو —— یہ تینوں شعر مثنوی نمودارِ شانِ نبوّت کے دوسرے نسخوں میں شامل نہ ہونے میں تو یکساں ہیں۔ مگر ان تینوں میں سے تیسرا اور آخری شعر اس لحاظ سے منفرد ہے کہ وہ کلیاتِ نظم فارسی کی پہلی مثنوی سرمۂ بینش میں آخری شعر اور صرف اختتام کی حیثیت سے شامل ہے۔ اس لحاظ سے محولہ بالا دو شعر غالب کے نو دریافت کلام اور کلیاتِ نظم فارسی پر ایک اضافہ شمار کیے جا سکتے ہیں۔

جیسا کہ ابھی گزرا کہ:

من سبک رو ہم گراں جاں نیستم
صد نشاں پیداست پنہاں نیستم

تک مجلہ (اٹھانوے ۹۸) اشعار اولین طباعت اور نئی اشاعت میں ایک ہیں۔ قدیم اشاعت متاخر ایڈیشنوں سے دو مصرعوں پر ایک ایک لفظ کی خفیف ترمیم میں مختلف ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بہت اہم اختلاف نہیں ہے مگر اس کو نظر انداز کیا جانا بھی قرینِ مصلحت نہیں۔ اس ترمیم و تغیر کی تفصیل اس طور ہے:

---

[۵] یاد رہے کہ بخیر اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا سالم کی تحریر کی ترتیب کے دو سال بعد سنہ ۱۲۷۰ھ میں پیش آیا تھا جب بہادر شاہ کی ایما پر ان کی طرف سے لکھنؤ میں حضرت عباس کی درگاہ پر دھوم دھام سے علم چڑھایا گیا۔ جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی اور بہادر شاہ کے شیعہ ہو جانے کی خبر اڑی تو بہادر شاہ نے اس الزام کی صفائی کے لیے سو جتن کیے۔ حالی کے بقول:

حکیم احسن اللہ خاں مرحوم نے اس کے تدارک کے لیے کچھ رسالے شائع کرائے اور بہت سے اشتہارات گلی کوچوں میں چسپاں کرائے گئے۔ جس میں بادشاہ کو تشیع کے اتہام سے بری کیا تھا اور بہادر شاہ کے حکم سے مرزا صاحب نے بھی ایک مثنوی فارسی زبان میں لکھی جس کا نام غالبؔ دمغ الباطل ہے جس میں بادشاہ کو تشیع کے اتہام سے بری کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی تھی۔ جو مضامین حکیم احسن اللہ خاں نے بتائے تھے ان کو فارسی میں نظم کر دیا تھا ——

یادگارِ غالب ص۳۸ (علی گڑھ: بلا سنہ)

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: متفرقاتِ غالب۔ مسعود حسن رضوی ادیب ص۲۶ تا ۴۰ (لکھنؤ: ۱۹۶۹ء) ان ماخذ اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہادر شاہ ایسے معاملات میں کس قسم کا ذہن و مزاج رکھتے تھے ممکن ہے کہ مولانا ولایت علی سے ملاقات کے بعد بھی ایسی ہی صورت پیدا ہو گئی ہو۔ بہرحال موضوع تحقیق طلب ہے —— دمغ الباطل کا غالب سے انتساب درست نہیں، یہ مولانا صہبائی کی تالیف ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ (پہلی طباعت) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔

[۶] ترجمہ تحریر مولوی محمد سالم ص۱۱ (مطبع سلطانی دہلی: ۱۲۶۸ھ)

[۷] کلیاتِ نظم فارسی (با مثنویات) غالب کے درج ذیل نسخوں سے مراجعت یا استفادہ کا راقم سطور کو موقع ملا ہے:

۱۔ کلیاتِ نظم فارسی (منشی نول کشور لکھنؤ: جنوری ۱۸۷۲ء)
۲ کلیاتِ غالب مرتبہ جناب مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی (لاہور، ۱۹۶۷ء)
۳۔ " " مرتبہ جناب امیر حسن نورانی (لکھنؤ ۱۹۶۸ء)
۴۔ کلیاتِ غالب (ایک جامع تر اشاعت) مرتبہ جناب غلام رسول مہر حصہ اول (لاہور: ۱۹۶۹ء)

پہلی اشاعت میں درج ذیل شعر کے الفاظ یہ ہیں:

اولیا را گر گرامی داشتیم
نز پئے رومی و جامی داشتیم

متاخر طباعتوں کے دوسرے مصرع میں جامی کے بجائے شامی تحریر ہے۔ اس کے بعد درج شعر قدیم اشاعت میں اس طرح ہے:

از برائے آں کہ ایں آزادگاں
در رہ حق جاں بجاناں دادگاں

اس شعر کے دوسرے مصرع میں بھی ایک معمولی سی ترمیم ملتی ہے۔ متاخر اشاعتوں میں "دررہِ حق" کی جگہ "از رہِ حق" قلم بند کیا گیا ہے۔ اس برائے نام اختلاف کے علاوہ ابتدائی ۹۸۔ اشعار میں کوئی اور اختلافِ کتابت ناچیز کی نظر میں نہیں آیا۔

زیر نظر اشاعت میں غالب کے اس منظومہ یا مثنوی کے لیے کوئی عنوان درج نہیں۔ اس کو ترجمہ تحریر مولوی محمد سالم سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ طباعت کل گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلا صفحہ ٹائٹیل کے لیے وقف ہے۔ دوسرے تیسرے صفحہ پر تمہید یا حرفِ آغاز درج ہے چوتھے صفحہ سے منظوم کا متن شروع ہوا ہے اوسط قد کا مناسب قلم ہے۔ صفحہ ۴ پر پہلی سطر میں پوری بسم اللہ تحریر ہے۔ پھر دو کالمی صفحہ ہے۔ اس صفحہ پر بارہ اشعار کے لیے جگہ نکلی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۵ سے صفحہ ۱۰ تک فی صفحہ ۱۳ اشعار کتابت کیے گئے ہیں۔ آخری گیارہویں صفحہ پر کل گیارہ شعر درج ہیں۔ آخری شعر دو کالمی ترتیب کے بجائے ایک کالمی کتابت میں دو سطر میں لکھا ہے۔ اس شعر کی دائیں جانب آڑے قلم سے "کتبہ المذنب محمد بخش" اور بائیں طرف اسی انداز پر "سنہ ۱۲۶۸ھ" تحریر ہے۔ اس کے بعد ایک مربع نما خانہ ہے۔ اس میں تمام شد درج ہے۔ یہ اس اشاعت کی آخری تحریر ہے۔ اس کے بعد کا صفحہ جو ترتیب کی رو سے بارہواں صفحہ ہونا چاہیے بالکل سادہ اور ہر قسم کی تحریر و اندراج سے معرّیٰ ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بالکل محقق اور واضح ہو گئی، کہ مثنوی شانِ نبوت و ولایت کی اوّلین ترتیب سے مولانا فضل حق خیر آبادی کا کچھ واسطہ تعلق نہیں تھا۔ طبع اوّل کی دریافت و تعارف سے قطع نظر یہ بات اس وجہ سے بھی سمجھ میں آتی تھی کہ مثنوی کی متعارف ترتیب و متن کے مطابق تین چوتھائی حصہ ان مباحث و مسائل پر مشتمل ہے جن سے مولانا خیر آبادی کبھی بہت وابستہ و منسلک نہیں رہے۔ اگرچہ مسئلہ استمداد تبرکات کی اہمیت و زیارت، قدم شریف کے وجود و ثبوت اور متعلقہ مباحث میں مولانا خیر آبادی کا مسلک تحریک سید احمد شہید کے علماء سے خاصا مختلف تھا۔ مگر ان موضوعات پر کسی رد و کد، مناظرہ یا تحریری لشکر کشی میں مولانا خیر آبادی نے سرگرم حصہ لیا ہو، راقم سطور کو معلوم نہیں ان مباحث کے ذخیرے میں گنتی کے تین چار فتوے ایسے ہیں، جن پر مولانا کی مہر یا تائیدی دستخط ثبت ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا نے ان مباحث پر نہ کوئی تحریر مرتب کی اور نہ اس میں تعاون فرمایا۔ اگر یہ مثنوی مولانا کی فرمائش یا ایماء پر لکھی گئی ہوتی تو اس میں سرفہرست عنوان اور بنیادی موضوع گفتگو مسئلہ ارکان و امتناع نظیر کو ہونا چاہیے تھا، مگر مثنوی میں یہ بحث سب سے آخر میں مذکور ہے، جو اس مثنوی کی مولانا سے نسبت کو مشتبہ کر رہا تھا۔ اوّلین ترتیب و اشاعت کی دریافت کے بعد اس اندیشے کی تصدیق ہوئی اور مثنوی کی ترتیب کی صحیح واقعی نوعیت بڑی حد تک بے غبار ہو کر سامنے آ گئی ہے۔

جس وقت مولانا محمد سالم کی تحریر مرتب ہوئی اور اس کا منظوم ترجمہ شائع ہوا اس زمانے میں مولانا خیر آبادی واجد علی شاہ کی حکومت میں ملازم صدر الصدور کے عہدے پر فائز اور لکھنؤ میں مقیم تھے[1] یہ منظوم ترجمہ مولانا تک کب پہنچا۔ اس کے بعد مولانا دہلی کب تشریف لائے، کب مولانا کی فرمائش پر غالب نے آخری اشعار لکھے، متعین طور پر معلوم نہیں، لیکن اگر یہ سب مراحل بہت جلد بھی طے ہوئے ہوں تب بھی سنہ ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۳ء کی پہلی ششماہی سے پہلے کہاں روبہ عمل آئے ہوں گے

بہرحال جس وقت بھی یہ موقع آیا مولانا خیر آبادی نے امتناع نظیر پر چند شعر اس ترتیب میں شامل کرنے کی غالب سے تحریک کی یا حالی کے الفاظ میں: "نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی۔" غالب نے مولانا کی پاس خاطر میں چند شعر لکھے، مگر چونکہ غالب بھی ایک زمانے میں تحریک سید احمد شہید (یا وہابی تحریک) سے متاثر رہ چکے تھے[2] اور خاندان شاہ ولی اللہ رح

---

[1] مولانا خیر آبادی وسط سنہ ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء میں ملازم ہو کر لکھنؤ گئے اور واجد علی شاہ کی معزولی تک وہیں ملازم اور مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ سنہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں "جانِ عالم" کی گرفتاری یا خارج البلد ہونے کے بعد لکھنؤ چھوڑ کر الور آئے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: مضمون 'مولانا فضل حق خیر آبادی - دورِ ملازمت'! مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم مشمولہ ارمغان فاروقی (نذر خواجہ احمد فاروقی) ترتیب ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صفحہ ۲۴۴ تا ۲۴۷ (دہلی: ۱۹۸۷ء)

قادری صاحب کا یہ مضمون علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی۔ مرتبہ: مولانا سعید الرحمٰن علوی (لاہور: ۱۹۸۷ء) میں بھی شامل ہے۔ ص ۱۲۸-۱۳۷

[2] جناب خواجہ منظور حسین نے اپنی کتاب "تحریک جہد و جہاد بطور موضوعِ سخن (کراچی؟)" میں غالب کے تحریک جہاد اور مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید سے روابط کا سراغ لگایا ہے اور کلامِ غالب میں اس کے اثرات دریافت کیے ہیں۔ یہ کتاب راقم سطور کو میسر نہیں ہوئی۔ اس کے بعض مندرجات اور ان پر اظہار خیال کے لیے رجوع فرمائیے:.....

کے علماء کے نظریے کے مطابق امکانِ نظیر کے قائل تھے۔ اس لیے ان اشعار میں امکانِ نظیر کا صاف طور پر اثبات کیا اور :

در یکے عالم دو تا خاتم مجوئے
صد ہزاراں عالم و خاتم بجوئے

پر اس گفتگو کو ختم کر دیا جو مولانا خیر آبادی کے نظریے کے سراسر خلاف تھی۔ ظاہر ہے مولانا کو اس سینہ زوری پر سخت غصہ آیا ہوگا اور مولانا اس حرکت سے نہایت ناراض ہوئے ہوں گے چنانچہ :

"مولانا نے فرمایا کہ یہ تم نے کیا لکھا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں۔ نہیں، بلکہ اگر لاکھ عالم خدا پیدا کرے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا۔ پس اس مضمون کو مثنوی میں سے بالکل نکال ڈالو اور جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح بیان کر دو۔" [1]

اس فہمائش اور اصرار مزید کے بعد غالب نے پندرہ شعر اور کہے ہیں، جس میں مولانا خیر آبادی کے نظریۂ امتناعِ نظیر کو ثابت کیا ہے، مگر یہ جو کچھ لکھا ہے مولانا کے جبر سے لکھا ہے، حالی کے بقول : "ان کو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں" [2]

اگر غالب کو مولانا کے خیالات سے ذرا بھی اتفاق ہوتا تو غالب کے لیے مولانا کے مدعا کو تفصیل سے مدلل طور پر نظم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ کیوں کہ اس وقت مولانا کے خیالات و دلائل عالم آشکار تھے اور اس موضوع پر مولانا کی تین کتابیں :

۱۔ رسالہ تقریر اعتراض بر تقویۃ الایمان (مولفہ اواخر سنہ ۱۲۴۱ھ / جون جولائی سنہ ۱۸۲۶ء)

۲۔ ابطال الطغویٰ فی تحقیق الفتویٰ (مولفہ وسط سنہ ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۷ء)

۳ امتناع النظیر [3] (مولفہ تقریباً سنہ ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴-۳۵ء)

وجود میں آ چکی تھیں۔ ان کے نسخے اہلِ علم کی دسترس میں تھے اور ان کے رد و جواب کا سلسلہ جاری تھا۔ غالب اگر چاہتے تو مولانا کی تحریرات کا عطر کشید کر اس کو شعری لباس عطا کر سکتے تھے، لیکن ہوا یہ کہ مکرر اصرار اور مولانا کی ناراضی کے باوجود اس موضوع پر صرف پندرہ شعر کہے اور اس میں بھی کوئی بات ایسی درج نہیں کی جس کا خاص وزن اور غیر معمولی اہمیت محسوس کی جائے! عجب نہیں کہ ان اشعار میں یہ کیفیت جان بوجھ کر پیدا کی گئی ہو۔ مضمون و موضوع سے ناواقفیت کا شاخسانہ نہ ہو۔

امکان و امتناع نظیر کے موضوع پر اشعار کی ترتیب کے بعد یہ اشعار ترجمہ تحریر مولوی محمد سالم میں کب شامل ہوئے، راقم سطور کو معلوم نہیں۔ مگر یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ پہلی ترتیب و اشاعت کے آخری تینوں اشعار کا اس منظومہ سے اخراج غالباً جنگ آزادی ۱۸۵۷ء یعنی بہادر شاہ ظفر کی معزولی کے بعد کسی وقت ہوا ہوگا۔ غالب بہادر شاہ ظفر کی موجودگی میں ان کی مدح اور درازیٔ عمر کی دعا پر قلم پھیر دیتے اور اپنے لیے آمدنی کا ایک دروازہ بند کر لیتے اور متعدد متوقع منافع سے ہاتھ کھینچ لیتے، سخت مشکل تھا۔ اس لیے یہ خیال قرینِ حقیقت معلوم ہوتا ہے کہ اس مثنوی میں حذف و اضافہ کا عمل جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا ہے اسی وقت یہ تمام اشعار ایک لڑی میں پروئے گئے اور اسی وقت اس منظومہ کا نام "مثنوی نمودارئ شانِ نبوت و ولایت کہ در حقیقت پر تو نور الانوار حضرت الوہیت است" طے اور تجویز ہوا —— مگر یہ سوال ہنوز حل طلب ہے کہ غالب اپنے مکتوبات و تالیفات میں اس اشاعت کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ کیا یہ بھی بہادر شاہ ظفر اور قلعہ معلیٰ کے روابط کے تمام نشانات و باقیات کو بھلا دینے کی خواہش اور تحریک کا حصہ ہے یا تحریک سید احمد شہید سے وابستگی کے مٹے مٹے نقوش اس کے تعارف اور اشاعت میں مانع رہیں؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

●●

---

[1] و [2] یادگار غالب ص۲، ص۲۳ (مطبع فیضِ عام، علی گڑھ : بلا سنہ)

[3] یہاں امتناع النظیر کا نام مولانا خیر آبادی کے متاخر تذکرہ نگاروں کی روایت کے بقول اور عام شہرت کے حوالے سے درج کیا گیا ہے ورنہ بعض شواہد و قرائن کی وجہ سے راقم سطور کو اس کا مولانا خیر آبادی سے انتساب مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔

[4] قلعہ کے زمانۂ ملازمت کی اپنی مشہور تصنیف مہر نیمروز کے متعلق، غالب منشی شیو نرائن کو لکھتے ہیں : "اس کا نام مہر نیمروز ہے، وہ سلاطین تیموریہ کی تواریخ ہے، اب وہ بات گئی گزری بلکہ وہ کتاب اب چھپانے کے لائق ہے، نہ چھپوانے کے قابل۔" (مکتوب مورخہ ۱۲۔ نومبر ۱۸۵۸ء)

ملاحظہ ہو :

مکاتیبِ غالب : مرتبہ مولانا امتیاز علی عرشی، مقدمہ ۲۹ (رام پور : ۱۹۴۹ء) نیز اردوئے معلیٰ ص ۲۶۸ (شیخ مبارک علی لاہور : طبع اوّل بلا سنہ)

اُردو کا مقبول عام معتبر ماہ نامہ

آجکل

نئی دہلی

مہمان مدیر

راج نرائن راز

سب ایڈیٹر

خورشید اکرم

جلد: ۴۸ شمارہ: ۹

اپریل ۱۹۹۰ء چیت بیساکھ شک سمت ۱۹۱۲

قیمت: دو روپے فون: ۳۸۷۰۶۹

سرورق: آر۔ کے۔ ٹنڈن

اندرونِ ملک زرِ سالانہ: ۲۰ روپے

دو سال کے لیے: ۳۶ روپے

تین سال کے لیے: ۴۸ روپے

مضامین سے متعلق خط و کتابت کا پتہ:

ایڈیٹر: آج کل اُردو

پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی ۱۔

پروڈکشن آفیسر: آر۔ ایس۔ منحال

ترسیلِ زر کا پتہ:

بزنس منیجر: پبلی کیشنز ڈویژن

پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

ترتیب